Arab rule also has been mentioned.

مسلمانوں کا فتوحات کے سلسلے میں عام دستور یہ رہا ہے کہ جب بھی کوئی نیا شہر فتح ہوتا یا کوئی نیا شہر بسایا جاتا تو سب سے پہلے مسجد کی تعمیر پر توجہ دی جاتی۔آبادی میں کئی مساجد ہوتیں توان میں سب سے زیادہ جس مسجد کو مرکزیت حاصل ہوتی وہاں تعلیم وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیا جاتا۔اس رجحان کو سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی میں مسلمانوں میں فروغ ملا۔مسلمانوں کی تعلیمی روایات اور تاریخ پر گہری نظر رکھنے والے مفکرین اس بات پر متفق دکھائی دیتے ہیں کہ اسلامی تاریخ کی پہلی باضابطہ اقامتی درسگاہ مدینہ منورہ کی مسجد نبویؐ میں قائم کی گئی جسے صفہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔رسول اکرمؐ نے مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد اپنے قیام کے پہلے ہی سال میں مسجد نبویؐ تعمیر فرمائی۔اسی دور میں مسجد کو سیاسی مرکز،عدالت اور تعلیمی ادارے کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی اور سب سے بڑھ کر مسجد اللہ تعالیٰ کی عبادت کا مرکز تھی۔جیسے جیسے اسلام پھیلتا گیا مسجدوں کی ضرورت بڑھتی گئی اور جو علاقہ بھی اسلام کے دائرہ میں آیا وہاں فوراً مسجد کی بنیاد رکھ دی گئی۔مساجد تعلیم کا مرکز ہوتی تھیں،اس لحاظ سے مسجد نبوی کو اولین علمی ادارہ یا اسلامی دارالعلم قرار دیا جاسکتا ہے۔جب کہ اس مسجد کے بانی اور دانش ومعرفت کے پیامبر ختم المرسلین حضرت محمدؐ نے اس مسجد میں باضابطہ تعلیم کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔اسلامی دور میں مسجد نبویؐ کی طرح ایسی مساجد بڑی تعداد میں رہی ہیں جن میں کئی سو سال تک اسلامی علوم وفنون کی تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔مسجد نبویؐ میں رسول اکرمؐ کی رحلت کے بعد آپؐ کے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے اوران کے بعد تابعینؒ نے اس درسگاہ میں تدریس اور تعلیم کا فریضہ انجام دیا،حتی کہ فقہ مالکی کے اصول وقواعد کی تعلیم کا آغاز بھی اس فقہ کے بانی امام مالکؒ کے ذریعے اسی مسجد میں ہوا۔(1)

عالم اسلام کی تعلیمی مساجد

عالم اسلام کی وہ قدیم مساجد جنہیں دینی علوم وفنون کی اشاعت کے مراکز کا درجہ حاصل ہوا ان میں مسجد نبویؐ کے علاوہ مسجد حرام (مکہ مکرمہ)،جامع مسجد بصرہ،جامع مسجد کوفہ،جامع مسجد فسطاط (جامع مسجد عمرو بن عاصؓ)،مسجد اقصیٰ (فلسطین)،دمشق کی جامع اموی،جامع زیتونہ تیونس،جامع مسجد قیروان شمالی افریقہ،جامع منصور بغداد،جامع اعظم قرطبہ (اندلس)،جامع مسجد قرویین فاس مراکش،جامع ابن طولون،جامع ازہر قاہرہ مصر اور نجف اشرف بارگاہ حضرت علیؓ (عراق) شامل ہیں۔(2)

مساجد میں قائم عظیم درسگاہوں کے تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی تعلیمی روایت مساجد کے ساتھ کس قدر مضبوطی سے وابستہ تھی جہاں دینی وعصری دونوں طرح کے علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔مختلف ممالک کی صدیوں پر محیط تعلیمی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آغاز میں مساجد کی تعمیر اور پھر ان مساجد میں درسگاہوں کا

قیام اس وقت تک جاری رہا جب تک مساجد سے الگ باقاعدہ مدارس قائم کرنے کا سلسلہ شروع نہیں ہوا۔سندھ میں بھی محمد بن قاسم ثقفیؒ کی فتوحات کے ساتھ مفتوحہ شہروں میں مساجد کی تعمیر، معلمین اور قضاۃ کا تقرر اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ اس دور میں مفتوحہ علاقوں میں قائم کی گئی اولین مساجد ہی درحقیقت اولین درسگاہیں تھیں۔

مساجد سے الگ مدارس کا قیام، تاریخی پس منظر

مساجد سے الگ مدارس کے قیام اور اس کے تاریخی پس منظر پر روشنی ڈالنے سے پہلے یہ بتایا جانا ضروری ہے کہ کئی نامور محققین جنھوں نے اسلامی تاریخ تعلیم میں اولین باقاعدہ مدارس کے قیام کے حوالے سے غور وخوض کیا ہے، ان کے نزدیک ۴۵۹ھ سے قبل مساجد میں قائم درسگاہیں باقاعدہ مدارس نہیں کیونکہ ان کی نظر میں مدرسہ مکتبہ فکر (School of Thought) کا مترادف ہے۔اور باقاعدہ مدارس کے قیام سے قبل مساجد میں قائم درسگاہیں اس زمرے میں نہیں آتیں ۴۵۹ھ کو تاریخی اعتبار سے نمایاں اہمیت حاصل ہے جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس سال مسلمانوں کی تعلیم کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔اس سال ایک طاقتور سلجوقی وزیر نظام الملک طوسی (م ۴۸۵ھ) نے ریاستی معاونت سے بغداد میں جامعہ نظامیہ قائم کیا۔اس نے جامعہ نظامیہ کے نام سے نیشاپور اور دیگر اہم شہروں میں بھی مدارس قائم کئے تھے۔اس اعتبار سے نظام الملک طوسی کو مسلمانوں میں تعلیمی تحریک کا علمبردار اور بانی سمجھا جاتا تھا اور اسی اعتبار سے اس کے دور کو مساجد سے الگ مدارس کے قیام کے حوالے سے اہمیت حاصل ہے۔(3)

لیکن اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ نظام الملک طوسی سے پہلے بھی مسلمانوں میں باضابطہ دینی مدارس کا قیام عمل میں آتا رہا ہے۔

تقی الدین مقریزی کتاب الخطط والآثار میں رقمطراز ہیں

ان المدارس مما حدث فی الاسلام ولم تکن تعرف فی زمن الصحابة والتابعین وانما حدث عملها بعد الاربع مئة من سنی الهجره واول من حفظ عنه انه بنی فی الاسلام اهل نیسابور فبنیت المدرسة البیهقیة.

''باضابطہ مدارس کا اسلام میں آغاز اگرچہ صحابہؓ اور تابعینؒ کے زمانے میں تو نہیں ہوا تھا اس کا آغاز چوتھی صدی ہجری کے بعد ہوا ہے۔اور سب سے پہلے اس سلسلے میں تذکروں میں یہ ہے کہ اہل نیشاپور نے اسلامی عہد کا پہلا مدرسہ بنایا اور اس دور میں مدرسہ بیھقیہ بنایا گیا۔''(4)

قاضی اطہر مبارکپوری نے طبقات الشافعیۃ الکبریٰ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے

''ہمارے نزدیک چوتھی صدی کے بعد نہیں بلکہ چوتھی صدی ہجری میں ہی نیشاپور کے شافعی فقہاء وعلماء نے مدرسوں کو تعمیر کیا ہے، عام طور سے مشہور ہے کہ وزیر نظام الملک طوسی متوفی ۴۸۵ھ نے مدارس کی بنیاد ڈالی حالانکہ امام

تاج الدین سبکی کی تصریح کے مطابق وزیر موصوف کی ولادت سے پہلے کئی مدارس تعمیر ہو چکے تھے۔صرف نیشاپور ہی میں چار مدرسے جاری ہو چکے تھے۔پہلا مدرسہ بیھقیہ، دوسرا مدرسہ سعدیہ جس کو سلطان محمود غزنوی کے بھائی امیر نصر بن سبکتگین نے نیشاپور کی امارت کے دور میں تعمیر کیا تھا، تیسرا مدرسہ جس کو نیشاپور میں ابوسعد اسماعیل بن علی بن مثنیٰ استر آبادی واعظ صوفی متوفی ۴۴۰ھ نے قائم کیا تھا، چوتھا مدرسہ نیشاپور میں استاد ابواسحاق اسفرائنی کے لیے بنایا گیا۔بقول حاکم مدرسہ ابواسحاق سے پہلے نیشاپور میں ایسا شاندار مدرسہ تعمیر نہیں ہوا تھا۔اس کے بعد امام سبکی نے لکھا ہے کہ میں نے غور و فکر کیا تو ظن غالب ہوا کہ سب سے پہلے نظام الملک نے طلبہ کے لیے معالیم اور وظائف مقرر کیے تھے (اور اسی وجہ سے اسے مساجد سے الگ باضابطہ مدارس کا مؤسس اول قرار دیا گیا)۔(5)

تاریخ دارالعلوم دیوبند میں سید محبوب رضوی لکھتے ہیں

''موجودہ شکل کے باقاعدہ مدارس کا آغاز اسلام کی تاریخ میں پانچویں صدی ہجری سے ہوتا ہے۔عام خیال ہے کہ دنیائے اسلام میں پہلا مدرسہ نظام الملک طوسی (م ۴۸۵ھ / ۱۰۹۲ء) نے بغداد میں مدرسہ نظامیہ کے نام سے قائم کیا تھا۔یہ صحیح نہیں ہے، درحقیقت قدرت کی جانب سے اس اولیت کا شرف افغانستان کے نامور فرمانروا سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ / ۱۰۳۰ء) کے لیے مقدر تھا۔چنانچہ ۴۱۰ھ میں سلطان محمود غزنوی نے اپنے پایہ تخت غزنی میں ایک جامع مسجد تعمیر کرائی جو اپنی نفاست اور خوبصورتی کے لحاظ سے ''عروس فلک'' کے نام سے مشہور تھی مسجد کے ساتھ سلطان نے مدرسہ کی عمارت بھی تعمیر کرائی تھی''(6)

سندھ میں دینی مدارس کا آغاز وارتقاء

سندھ میں مدارس کی ابتداء فتح سندھ کے بعد دیبل میں قائم کی جانے والی سب سے پہلی مسجد سے ہوتی ہے۔مؤرخین کی ایک بڑی تعداد اس بات کی قائل نظر آتی ہے کہ محمد بن قاسم ثقفیؒ کے دور میں نو تعمیر شدہ مساجد میں ہی درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا اور رفتہ رفتہ ان درسگاہوں میں عراق اور عرب سے مشہور علماء آکر سلسلہ تعلیم و تدریس سے وابستہ ہو جاتے تھے ایسے کئی علماء کا ذکر مؤرخین نے دیبل، اروڑ، منصورہ، ملتان اور اوچ کے تذکروں میں کیا ہے۔محمد بن قاسم ثقفیؒ نے فتح سندھ کے وقت بڑے بڑے شہروں مثلاً دیبل، نیرون کوٹ، سیوستان، برہمن آباد، الور، ملتان، دیپالپور، قنوج اور ویھند میں بت خانوں کے آگے جامع مساجد تعمیر کرائیں اور ان مساجد میں واعظ اور مؤذن بھی مقرر کئے گئے۔(7)

ابن حوقل جو چوتھی صدی ہجری کا مشہور سیاح گزرا ہے اپنے دورہ سندھ کے چشم دید حالات یہ بیان کرتا ہے کہ سندھ میں بالعموم مسجدوں میں علماء اور فقہاء کا ایک بڑا گروہ مقیم رہتا ہے۔ان علماء اور فقہاء سے استفادہ کرنے والوں کی شرکت کا یہ عالم ہے کہ جس مسجد میں بھی چلے جائیں کھوئے سے کھوا چھلتا نظر آئے گا۔چوتھی صدی ہجری تک تعلیم و تدریس

کا کام اسی طرح مساجد سے لیا جاتا رہا،اس زمانے میں مساجد کے پہلو بہ پہلو مدارس و مکاتب کے قیام کا مذاق عام تھا۔(8)

برصغیر کے نامور مصنف سید مناظر احسن گیلانیؒ نے اس سلسلے میں کئی شواہد جمع کیے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ سندھ سمیت پورے ہندوستان میں مساجد، امراء کی حویلیاں اور محلے کے عام مکانات میں مدارس کے قیام کا رواج تھا۔ ہر آبادی کے باشندوں کا باورچی خانہ علم کے پیاسوں کا باورچی خانہ بنا ہوا تھا اور ان کے مکانات ،محلّہ کی مسجدوں کے حجرے ان طلبہ کے لیے اقامت خانوں کا کام دے رہے تھے۔زیادہ تر اس ملک میں مساجد اور شہروں یا قریٰ وقصبات میں امراء کی حویلیوں اور ڈیوڑھیوں سے بھی مدرسہ کا کام عموماً لیا جاتا تھا۔(9)

اولین عرب عہد میں سندھ کے اکثر بڑے شہروں اور قصبات میں کئی درسگاہیں قائم تھیں۔اس دور میں سندھ میں علم وفضل کا دور دورہ تھا۔ان علاقوں میں دیبل ،اروڑ ،منصورہ، ملتان اور اُچ کا بطور خاص ذکر کیا جاتا ہے۔اس کا مختصر احوال ذیل میں دیا گیا ہے۔

دیبل

دیبل سندھ کا قدیم کاروباری شہر تھا۔سندھ کی اس قدیم بستی سے متعلق مؤرخین میں کافی اختلاف رہا ہے اور مختلف ادوار میں اسے مختلف مقامات پر دکھایا جاتا رہا ہے۔اس شہر کے بارے میں یہ بھی دعویٰ کیا گیا کہ دیبل کا نام بعد میں ٹھٹھہ پڑ گیا تھا۔حالانکہ یہ بات کسی بھی طرح درست قرار نہیں دی جاسکتی کیونکہ ٹھٹھہ ایک قدیم اور بالکل الگ شہر ہے اور دیبل اس سے الگ شہر تھا جس کے کھنڈرات کافی عرصہ پہلے محکمہ آثار قدیمہ کے ماہرین کو تلاش وجستجو کے نتیجے میں ملے ہیں۔(10) موجودہ دھابیجی اسٹیشن سے تقریباً ۵ میل کے فاصلے پر ٹھٹھہ سے کراچی جانے والے راستے سے دو میل کے فاصلے پر بجانب جنوب سمندری کھارے پانی کے گھارو نامی نالے کے کنارے پر قدیم شہر بھنبھور کی کھدائی سے آثار قدیمہ والوں کو کئی اشیاء اور نشانیاں ملی ہیں جس کی وجہ سے اس شہر کو قدیم بندرگاہ دیبل قرار دیا گیا ہے۔(11)

بھنبھور کے مقام پر محکمہ آثار قدیمہ کی جانب سے لگائے گئے ایک بورڈ پر درج ہے کہ قدیم تاریخی شہر بھنبھور ۲۱۰۰ سال قدیم ہے۔یہاں کھدائی کا سلسلہ ۱۹۵۸ء سے شروع ہوا۔جس کی باقاعدہ تحقیق کے بعد یہاں مختلف ادوار کی آبادیوں کے آثار ملے ہیں۔یہاں کے قدیم ترین باشندوں کے حوالے سے تین ادوار کا ذکر کیا گیا ہے:

(1) سیتو پارتھی نسل کے لوگ جن کا زمانہ پہلی صدی قبل مسیح سے دوسری صدی عیسوی تک تھا۔

(2) ہندو اور بدھ مذہب کے لوگ جو دوسری صدی عیسوی سے آٹھویں صدی عیسوی تک تھے۔

(3) مسلمانوں کی آمد آٹھویں صدی عیسوی سے تیرھویں صدی عیسوی تک۔

بعد میں دریائے سندھ نے اپنا رخ تبدیل کیا اور اس کی اہمیت کو ختم کردیا اور سارا شہر آہستہ آہستہ ویران ہوگیا، مکانات منہدم ہوگئے اور رفتہ رفتہ ملبے کا ایک وسیع ڈھیر بن گئے۔(12)

کتب تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ دیبل پر سب سے پہلے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے (۱۵ھ) میں مغیرہ بن ابو العاص الثقفیؒ نے اپنے بھائی والی بحرین وعمان عثمان بن ابی العاص الثقفیؓ کے حکم پر کامیاب چڑھائی کی تھی۔(13) اس کے بعد عبداللہ بن بنھان اور بدیل بن طھفہ البجلی نے (۹۲ھ/ ۷۱۱ء) میں دیبل پر حملے کیے لیکن کامیاب نہ ہوسکے حتی کہ محمد بن قاسم ثقفیؒ نے اس شہر کو فتح کیا۔۔۔۔۔۔یہاں چار ہزار مسلمانوں کو بسایا اور ایک بڑی مسجد تعمیر کی۔(14) دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ شہر زلزلے کی وجہ سے ویران ہوگیا تھا، اس زلزلے کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس زلزلے کی وجہ سے ڈیڑھ لاکھ باشندے ہلاک ہوگئے تھے جس کا تذکرہ تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے۔(15) بھنبھور کے وزٹ کے موقع پر کھنڈرات میں سندھ کی سب سے پہلی مسجد کے آثار دیکھنے کا شرف حاصل کیا۔ان آثار سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ایک بڑی مسجد تھی اور اس کے اطراف میں چھوٹے چھوٹے حجرے تھے جن میں یقیناً درس وتدریس کا سلسلہ جاری رہا ہوگا۔

ڈاکٹر مولانا غلام مصطفی قاسمی لکھتے ہیں

> ''بھنبھور کے کھنڈرات سے سب سے اہم عمارت جو ماہرین آثار قدیمہ کو ملی وہ یہاں کی جامع مسجد ہے اور یہ قدیم بستی کے وسط میں واقع ہے۔کھدائی کے دوران دو کتبے بھی ملے تھے جن پر تاریخ بھی درج ہے، ان کتبوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر پاک وہند کی یہ سب سے قدیم اور اولین مسجد ہے''۔(16)

سب سے پہلے عالم جن کا ذکر دیبل کے علماء میں ملتا ہے وہ مولانا اسلامی الدیبلیؒ ہیں جو محمد بن قاسم ثقفیؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے اور بعد ازاں انہیں راجہ داہر کے پاس ایک وفد کے ہمراہ گفت وشنید کے لیے بھیجا گیا تھا، راجہ داہر بھی ان کی باتوں سے بہت متاثر ہوا تھا اگرچہ ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوا۔(17) دیبل کے زیادہ تر ان علماء کا تذکرہ کتب تاریخ وانساب میں ملتا ہے جو دیبل سے عرب تشریف لے گئے۔ان میں سے بیشتر علماء نے حجاز مقدس، بغداد، دمشق اور مصر منتقل ہوکر تفسیر وحدیث میں نمایاں مقام حاصل کیا۔سب سے پہلے جو فرد دیبل سے مکۃ المکرّمہ تشریف لے گئے وہ ابو جعفر محمد بن ابراہیم بن عبداللہ الدیبلیؒ (م ۳۲۲ھ) ہیں آپ نے مکہ مکرمہ سے تحصیل حدیث کی اور بڑے محدث بنے۔وطن واپس نہ آئے اور مکہ مکرمہ میں ہی وفات پائی۔(18)

اس دور میں سندھ میں دیبل بڑی بندرگاہ ہونے کے علاوہ ایک اہم علمی مرکز بھی تھا۔دیبل کو یہ حیثیت عربوں کی آمد کے بعد حاصل ہوئی۔اس شہر میں عربی اور دینی علوم کے مدرسے کی بنیاد رکھی گئی، عراق اور عرب سے کتنے ہی علماء اس شہر میں آنے لگے اور اس شہر میں جید علماء، محدثین ومفسرین اور فقہاء پیدا ہوئے۔اس نسبت سے عرب مؤرخین نے ان

علماء کو دیبلی کے نام سے یاد کیا ہے۔مکتوبات نبویؐ کا سب سے پہلا مجموعہ دیبل ہی کے ایک عالم ابوجعفر محمد بن ابراہیم الدیبلی نے مرتب کیا تھا صرف یہی نہیں دنیائے اسلام کی سب سے پہلی کتاب ربیع بن صبیح بصریؒ نے سرزمین سندھ میں سکونت کے دوران لکھی تھی۔فن مغازی پر بھی سب سے پہلی کتاب سندھ ہی کے ایک نامور عالم ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن السندیؒ نے لکھی تھی جب ۱۷۰ھ میں ان کا انتقال ہوا تو ان کے جنازے کے لیے پورے بغداد کے باشندے اُمڈ آئے تھے۔عباسی خلیفہ ہارون رشید نے خودخواہش کا اظہار کر کے ان کی نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت حاصل کی۔(19)

اروڑ

اروڑ ایک قدیم شہر رائے خاندان کا دارالحکومت تھا۔دریائے سندھ کے کنارے پر آباد تھا۔مختلف پھلوں کے باغات کی وجہ سے پورے سندھ میں اس کی شہرت تھی۔دریائے سندھ کا رُخ تبدیل ہونے کی وجہ سے یہ شہر ویران ہوگیا۔اس کے بعد وہاں کے باشندے بکھر اور دوسرے شہروں میں ہجرت کر گئے۔(20) یہ شہر روہڑی سے آٹھ میل بجانب جنوب واقع ہے،یہاں محمد بن قاسم ثقفیؒ کی تعمیر کردہ مسجد آج بھی خستہ حالت میں موجود ہے۔

اروڑ کے علماء میں سب سے نمایاں نام مولانا قاضی اسماعیل بن علی بن محمد بن موسی الثقفیؒ الروری جو بلند پایہ خطیب اور فقیہ بھی تھے اور اس شہر کے قضا کے منصب پر فائز تھے۔یہ منصب ان کے خاندان میں کئی نسلوں سے چلے آتا تھا۔علی بن حامد الکوفی صاحبِ فتح نامہ سندھ (چچنامہ) نے ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں نے ان سے اروڑ میں ملاقات کی اور ان کے پاس سندھ کی تاریخ اور مسلمانوں کے سندھ میں فتوحات کے تذکرے پر مشتمل کچھ اوراق بزبان عربی دیکھے جنہیں قاضی اسماعیل کے آباءواجداد میں سے کسی نے تحریر کیا تھا۔قاضی اسماعیل کے آباءواجداد میں سے موسیٰ بن یعقوب بن طائی بن محمد بن شیبان بن عثمان الثقفیؒ کا ذکر بھی کیا جاتا تھا جنہیں محمد بن قاسم ثقفیؒ نے اروڑ میں آباد کیا تھا اور انہیں اس شہر میں بطور قاضی مقرر کیا تھا اور یہ منصب قضاء بعد میں ان کے خاندان میں جاری وساری رہا۔(21)

منصورہ

سندھ میں عربی حکومت کے قیام کے بعد عربوں نے کئی شہر تعمیر کیے،جو بعد میں تاریخ میں کافی شہرت کے حامل رہے،ان شہروں میں منصورہ،بیضاء،محفوظہ اور بکھر کا نام لیا جاتا ہے جو عرب دور کے تعمیر کردہ شہر تھے۔ان تمام شہروں میں سب سے زیادہ اہمیت منصورہ کو حاصل ہے۔اس شہر کو محمد بن قاسم ثقفیؒ کے بیٹے عمرو بن محمد بن قاسم ثقفیؒ نے برہمن آباد کے مقام پر تعمیر کیا تھا۔یہ شہر ساتویں صدی ہجری تک موجود تھا اور زلزلے کی وجہ سے تباہ ہوگیا۔(22)

منصورہ کے بارے میں مراصد الاطلاع میں علامہ حموی کا بیان ہے

المنصورة مفعولة من النصر ، فی عدة مواضع منها المنصورة بارض السند

وھی قصبتھا ،مدینة کبیرة کثیرة الخیرات ذات جامع کبیر ، سواریه من ساج یحیطه خلیج من نھر مھران فھی فی شبه الجزیرة قیل کان اسمھا برھمناباد فسمیت المنصوره باسم عامل کان فیھا لبنی امیة یقال له المنصور بن جمھور وقیل لانه بناھا وقیل غیر ذالک وھی شدیدة الحرس ،بھا شئی من الفواکه.

''منصورہ نصر سے مفعولہ کے وزن پر ہے جو کئی جگہوں پر واقع ہے ان میں سے سندھ کا قصبہ منصورہ بھی ہے جو کہ ایک بڑا شہر ہے، بے پناہ بھلائیوں کا مرکز، ایک بڑی جامع مسجد بھی اس میں ہے۔اس کے اردگرد مٹی کی فصیل ہے جسے ایک طرف سے دریائے سندھ (یادریائے سندھ کی کوئی شاخ) احاطہ کئے ہوئے ہے اور اس وجہ سے یہ جزیرہ نما میں واقع ہے۔بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس کا نام پہلے برہمن آباد تھا اور اس کے بعد بنوامیہ کے ایک گورنر منصور بن جمہور کی وجہ سے اسے منصورہ کہا جانے لگا، ایک قول یہ بھی ہے کہ منصور ہی نے اس شہر کو بنوایا تھا، اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔(جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ اس شہر کی تعمیر عمرو بن محمد بن قاسم ثقفیؒ کے ہاتھوں ہوئی۔اور یہی زیادہ درست قول ہے۔) اس شہر میں پہرہ بڑا سخت رکھا گیا ہے اور بعض قسم کے میووں کے باغات بھی ہیں''۔(23)

سندھ کا مرکزی شہر اور دارالحکومت ہونے کی وجہ سے جید علماء کرام یہاں سکونت پذیر ہو چکے تھے، اس شہر میں عربی ماحول اور علماء کی موجودگی کی وجہ سے کئی مدارس اور درسگاہیں بھی قائم کی گئی تھیں۔منصورہ کے علمی اور مذہبی حالات کئی عرب مؤرخین، جغرافیہ دانوں اور سیاحوں نے بیان کئے ہیں۔

بشاری مقدسی نے لکھا ہے

یہاں کے باشندے قابل اور صاحب مروت ہیں۔ان میں اسلام کی فرمانروائی ہے ،نیکی اور خیرات ان کا مشغلہ ہے، زیادہ تر اہل حدیث ہیں، بڑے شہروں میں حنفی فقہ بھی رائج ہے لیکن مالکی اور حنبلی مسلک کے ماننے والے اور معتزلی نہیں ہیں، لوگ سیدھے اور صحیح مسلک پر قائم ہیں ،نیک اور پاک دامن ہیں۔۔۔۔۔منصورہ کے باشندے قابل اور بامروت ہیں۔پوری طرح اسلام پر عمل پیرا ہیں اور اہل علم ہیں۔ذکی اور فطین ہیں۔نیک اور سخی ہیں، دل کھول کر خرچ کرتے ہیں۔(24)

منصورہ کے علماء میں ابومحمد عبداللہ بن جعفر بن مرہ المنصوری المقریؒ ،قاضی محمد بن ابی الشوارب المنصوریؒ، ابوالعباس احمد بن محمد بن صالح بن تمیمی المنصوریؒ کا ذکر ملتا ہے۔منصورہ میں ابومحمد عبداللہ بن جعفرؒ متوفی ۱۵۰ھ کی درسگاہ بھی قائم تھی۔(25)

اسی طرح منصورہ میں قاضی محمد بن ابی الشوارب المنصوریؒ کے مدرسے کا ذکر بھی کتب میں ملتا ہے، جنہیں

۲۸۳ھ میں منصورہ کا قاضی مقرر کیا گیا تھا انہوں نے منصورہ میں قضا کے علاوہ درس وتدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا اوران کے بعدان کے بیٹے علی بن محمد ابی الشوارب بھی منصورہ کے قاضی مقرر ہوئے۔اس طرح ان کا خاندان چوتھی صدی ہجری تک منصورہ میں مقیم رہا۔(26)ان تصریحات سے یہی واضح ہوتا ہے کہ اوائل دور سے ہی سندھ کے شہر منصورہ میں دینی علوم کی درسگاہیں قائم ہو چکی تھیں۔

ملتان

ملتان پہلے منصورہ کے ماتحت تھا بعدازاں تیسری صدی ہجری میں ملتان نے آزاد اور خودمختار ریاست کی حیثیت حاصل کرلی تھی۔ملتان کے اسماعیلی عرب حکمرانوں کے ماتحت ایک لاکھ گاؤں تھے۔محمد بن قاسم ثقفیؒ نے ملتان فتح کرنے کے بعد دیگر شہروں کی طرح ملتان میں بھی ایک بڑی مسجد تعمیر کرائی جہاں دیگر مساجد کی طرح درس وتدریس کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ملتان کو علم وادب،ثقافت اسلامی،دینی درسگاہوں اور مدارس کی کثرت اور تعلیم وتبلیغ کے بڑے پیمانے پر فروغ کے باعث سندھ کا بغداد قرار دیا گیا۔(27)ملتان کے علماء ومشاہیر کے تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی دینی علوم کی تدریس کے لیے کئی درسگاہیں قائم ہوگئی تھیں۔جن میں سے عربی ادب کے بڑے شاعر ھارون بن عبداللہ ملتانی کی درسگاہ کا ذکر سب سے مقدم ہے جو تیسری صدی ہجری میں ملتان میں مقیم تھے۔ان کے دادا اسلامی فتوحات کے بعد ملتان آگئے تھے اور پھر یہیں ٹھہر گئے۔ہارون ملتان میں پیدا ہوئے،انہوں نے عربی شاعری میں نہایت بلند مقام پایا۔ان کے اشعار تاریخ کی کتب میں مذکور ہیں۔(28)

ملتان میں ایک اور عظیم درسگاہ جو کئی صدیوں تک ملتان میں علم ومعرفت اور ہدایت کا سرچشمہ رہی یہ شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کی درسگاہ تھی۔ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں ملتان کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس کی ملاقات ملتان میں شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کے پوتے شاہ رکن عالم سے ہوئی۔انہوں نے خود بیان کیا کہ ہمارے آباء واجداد عرب سے سندھ آئے۔انہوں نے منصورہ سندھ میں کافی عرصہ گزارنے کے بعد ملتان میں آکر علم وارشاد کی مسند قائم کی۔(29)

اُچ

اُچ کی سرزمین قدیم عرصے سے سندھ کی حدود میں شامل رہی ہے۔سرزمین اُچ کو اسلامی علم،ادب،ثقافت،مدارس اور درسگاہوں کے باعث نمایاں مقام حاصل رہا۔اُچ کے تذکرے میں لکھا ہے کہ محمود غزنوی کے ابتدائی دور میں ایک بزرگ صفی الدین گازرونیؒ (م ۳۹۸ھ) نے اُچ میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔گازرونی کے مدرسہ میں ڈھائی ہزار طالب علم تعلیم پاتے تھے اسی مدرسے کو سندھ کا اولین باضابطہ مدرسہ قرار دیا گیا ہے۔اسی طرح غوریوں کے دور میں فیروزی

اُچ ایک مدرسہ تھا جسے ناصر الدین قباچہ نے ۶۲۴ھ میں قائم کیا تھا۔(30)

دیبل ،اروڑ ،منصورہ ،ملتان اور اُچ کے مدارس اور علمائے کرام کے تذکرے سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ سندھ میں اسلام کی آمد کے بعد سے ہی دینی درسگاہوں کے قیام کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ دوسری صدی ہجری میں یقیناً اس خطے میں بڑے دینی مدارس قائم ہوئے ہوں گے لیکن تاریخ میں صراحت کے ساتھ ان کا تذکرہ نہیں ملتا۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ شبلی نعمانیؒ نے اس خطے میں ابتداءً مدارس کے قیام کا قطعی طور پر انکار کر دیا تھا اگر چہ بعد میں انہوں نے اس سے رجوع بھی کر لیا تھا۔ اس سلسلے میں مولانا کے انکار اور رجوع کا تذکرہ کرتے ہوئے مولوی ابوالحسنات ندوی لکھتے ہیں:

''مسلمانوں کے علمی کارناموں کو علامہ شبلی نعمانیؒ نے اپنے رسائل کے مختلف مضامین میں بہ تفصیل لکھا ہے۔۔۔۔۔لیکن خاص سرزمین ہند کی نسبت جو ہمارا وطن ہے اب تک کچھ نہیں لکھا گیا۔ علامہ مرحوم ابتداءً ہندوستان میں اسلامی مدارس کے قیام کے قطعی منکر تھے، چنانچہ اپنے رسائل کے مضمون ''اسلامی مدارس'' میں لکھتے ہیں: ''ہندوستان کے تذکرے میں، ہم کو بے خطر کہنا چاہیے کہ اس سرزمین پر شاید ایک بھی علمی عمارت نہیں قائم ہوئی''۔ لیکن بعد ازاں بعض ارباب قلم کے توجہ دلانے پر علامہ مرحوم نے اپنی اس تحقیق سے رجوع کیا اور اس عبارت پر حاشیہ دے کر طبع ثانی میں یہ الفاظ لکھے: ''میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ میری یہ تحقیق صحیح نہیں ثابت ہوئی۔ ہندوستان میں بہت سے مدارس تعمیر ہوئے تھے گو اب ان کا نام ونشان نہیں رہا''۔(31)

سندھ و ہند کے اولین مدارس کے تذکرے میں سب سے پہلے جس مدرسے کا ذکر ملتا ہے وہ محمود غزنوی کے ابتدائی دور کا ایک مدرسہ ہے جسے صفی الدین گازرونیؒ (م:۳۹۸ھ) نے اُچ میں قائم کیا تھا۔(32)

اسی طرح غوریوں کے دور میں بھی ایک مدرسے کا ذکر ملتا ہے جو اُچ ہی میں قائم کیا گیا تھا جسے مدرسہ فیروزیہ کہا جاتا تھا۔ یہ مدرسہ ناصر الدین قباچہ نے ۶۲۴ھ میں قائم کیا تھا جس کا ذکر ابن بطوطہ نے بھی کیا ہے۔

وذكر ابن بطوطه الرحال المغربى انه شهد احدى مدارس كبرىٰ خلال زيارته للهند فى عام ۷۳۴ھ وكانت توجد فى السند مدرسة سنة ۶۳۴ھ وهى المدرسة الفيروزية التى بنيت فى عهد ناصر الدين قباجه وبدأت المدارس تنتشر فى القرنين الثامن والتاسع.

''مغرب کے ایک سیاح ابن بطوطہ نے ذکر کیا ہے کہ اس نے ۷۳۴ھ میں ہندوستان کے سفر میں سندھ میں ایک مدرسہ ''مدرسہ فیروزیہ'' کے نام سے دیکھا تھا جو ناصر الدین قباچہ کے دور میں ۶۳۴ھ میں قائم کیا گیا تھا اور اس کے بعد آٹھویں صدی ہجری میں مدارس کا سلسلہ وسیع ہوتا چلا گیا''۔(33)

تاریخ دار العلوم دیو بند میں سید محبوب رضوی رقمطراز ہیں

''ملتان میں (اُچ اس وقت ملتان کا حصہ تھا) ناصر الدین قباچہ نے جو وہاں کا حکمران تھا، ایک مدرسہ تعمیر

اُچ ایک مدرسہ تھا جسے ناصرالدین قباچہ نے ۶۲۴ھ میں قائم کیا تھا۔(30)

دیبل، اروڑ، منصورہ، ملتان اور اُچ کے مدارس اور علمائے کرام کے تذکرے سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ سندھ میں اسلام کی آمد کے بعد سے ہی دینی درسگاہوں کے قیام کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ دوسری صدی ہجری میں یقیناً اس خطے میں بڑے دینی مدارس قائم ہوئے ہوں گے لیکن تاریخ میں صراحت کے ساتھ ان کا تذکرہ نہیں ملتا۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ شبلی نعمانیؒ نے اس خطے میں ابتداءً مدارس کے قیام کا قطعی طور پر انکار کردیا تھا اگر چہ بعد میں انہوں نے اس سے رجوع بھی کرلیا تھا۔ اس سلسلے میں مولانا کے انکار اور رجوع کا تذکرہ کرتے ہوئے مولوی ابوالحسنات ندوی لکھتے ہیں:

''مسلمانوں کے علمی کارناموں کو علامہ شبلی نعمانیؒ نے اپنے رسائل کے مختلف مضامین میں بہ تفصیل لکھا ہے۔۔۔۔۔ لیکن خاص سرزمین ہند کی نسبت جو ہمارا وطن ہے اب تک کچھ نہیں لکھا گیا۔ علامہ مرحوم ابتداء ہندوستان میں اسلامی مدارس کے قیام کے قطعی منکر تھے، چنانچہ اپنے رسائل کے مضمون ''اسلامی مدارس'' میں لکھتے ہیں: ''ہندوستان کے تذکرے میں ہم کو بے خطر کہنا چاہیے کہ اس سرزمین پر شاید ایک بھی علمی عمارت نہیں قائم ہوئی''۔ لیکن بعد ازاں بعض ارباب قلم کے توجہ دلانے پر علامہ مرحوم نے اپنی اس تحقیق سے رجوع کیا اور اس عبارت پر حاشیہ دے کر طبع ثانی میں یہ الفاظ لکھے: ''میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ میری یہ تحقیق صحیح نہیں ثابت ہوئی۔ ہندوستان میں بہت سے مدارس تعمیر ہوئے تھے گو اب ان کا نام و نشان نہیں رہا''۔(31)

سندھ و ہند کے اولین مدارس کے تذکرے میں سب سے پہلے جس مدرسے کا ذکر ملتا ہے وہ محمود غزنوی کے ابتدائی دور کا ایک مدرسہ ہے جسے صفی الدین گازرونیؒ (م: ۳۹۸ھ) نے اُچ میں قائم کیا تھا۔(32)

اسی طرح غوریوں کے دور میں بھی ایک مدرسے کا ذکر ملتا ہے جو اُچ ہی میں قائم کیا گیا تھا جسے مدرسہ فیروزیہ کہا جاتا تھا۔ یہ مدرسہ ناصرالدین قباچہ نے ۶۲۴ھ میں قائم کیا تھا جس کا ذکر ابن بطوطہ نے بھی کیا ہے۔

وذکر ابن بطوطه الرحال المغربی انه شهد احدی مدارس کبریٰ خلال زیارته للهند فی عام ۷۳۴ھ وکانت توجد فی السند مدرسة سنة ۶۳۶ھ وهی المدرسة الفیروزیة التی بنیت فی عهد ناصر الدین قباجه وبدأت المدارس تنتشر فی القرنین الثامن والتاسع.

''مغرب کے ایک سیاح ابن بطوطہ نے ذکر کیا ہے کہ اس نے ۷۳۴ھ میں ہندوستان کے سفر میں سندھ میں ایک مدرسہ ''مدرسہ فیروزیہ'' کے نام سے دیکھا تھا جو ناصرالدین قباچہ کے دور میں ۶۳۴ھ میں قائم کیا گیا تھا اور اس کے بعد آٹھویں صدی ہجری میں مدارس کا سلسلہ وسیع ہوتا چلا گیا''۔(33)

تاریخ دارالعلوم دیوبند میں سید محبوب رضوی رقمطراز ہیں

''ملتان میں (اُچ اس وقت ملتان کا حصہ تھا) ناصرالدین قباچہ نے جو وہاں کا حکمران تھا، ایک مدرسہ تعمیر

کرایا۔مشہور عالم ومصنف قاضی منہاج سراج (وفات ۶۵۸ھ/ ۱۲۵۹ء) کا بیان ہے کہ اس مدرسہ کا انتظام وانصرام ان کے سپرد تھا''۔(34)

سندھ میں مابعد عرب دورحکومت قیام مدارس کا مختصر تذکرہ

سندھ میں دینی مدارس کے قیام کا سلسلہ اسلامی حکومت کے قیام سے ہی شروع ہوگیا تھا۔مختلف ادوار حکومت میں دینی علوم وفنون کے ادارے فروغ پذیر رہے۔سندھ کی اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ اس خطے میں ہر دور میں دینی مدارس قائم ہوتے رہے ہیں۔اس خطے کے مسلم حکمرانوں نے اپنی علم دوستی علم پروری اور علماء ومدارس کی سرپرستی کر کے شہرت دوام حاصل کی۔عرب دورحکومت میں جس طرح دیبل ،منصورہ اور ملتان کو علم وفن کے مراکز کی حیثیت حاصل رہی اسی طرح غزنوی اور غوری حکمرانوں کے دور میں لاہور علم وفضل کا اہم مرکز بنا۔

سومرہ اور سمہ سندھ کے مقامی قبائل تھے جنہوں نے غزنوی وغوری ادوار حکومت کے بعد یکے بعد دیگرے سندھ پر کافی عرصے تک حکومت کی۔سومروں کے دورحکومت میں سندھ میں بکھر،سیوستان (سیہون)اور ہالہ کو دینی علوم کے اہم مراکز میں شمار کیا جاتا تھا۔سمہ سلاطین کے عہد (۷۵۲ھ/۱۳۵۱ء تا ۹۲۳ھ/۱۵۱۹ء) میں سندھ کے قدیم شہر بغداد، دمشق اور کوفہ کی ہمسری کرتے تھے،سمہ سلاطین کی علم پروری کا چرچا عرب تک پہنچ چکا تھا اس لیے عرب کے مختلف علاقوں سے بھی علماء سندھ کے مختلف شہروں میں آکر مقیم ہوگئے تھے(35)

سندھ میں کلہوڑوں سے پہلے مغل دورحکومت بھی علمی ترقی اور فن تعمیر کے حوالے سے یادگار رہا ہے۔اس دور میں بکھر میں میر معصوم بکھری نے نام ور گنبد کی تعمیر کرائی جسے ''معصوم شاہ کا مینارہ'' کہا جاتا ہے۔سندھ کی مشہور تاریخ ''تاریخ معصومی'' بھی انہی کی تالیف ہے۔(36)

اس دور میں بکھر کی طرح ٹھٹھہ شہر میں بھی علماء وفضلاء،شعراءاور کاتبان خوش نویس کی بہتات تھی۔اس دور میں ٹھٹھہ شہر میں مشہور شاہجہانی مسجد شاہجہان کے حکم سے تعمیر کرائی گئی۔(37) عہد کلہوڑا سے سندھ میں دینی علوم کی درسگاہوں کے نئے دور کا آغاز ہوا جبکہ ان درسگاہوں کا سلسلہ ٹھٹھہ اور بکھر تک محدود نہ رہا بلکہ پورے سندھ میں درسگاہوں کا جال پھیل چکا تھا۔مولانا غلام رسول مہر نے تاریخ سندھ عہد کلہوڑا میں ایسے مقامات کی ایک فہرست پیش کی ہے جہاں درسگاہیں قائم تھیں:

روہڑی،الور،سیوی،کھڑا،سیوستان،دشت باران،پکا کاتیار،بوبکان،ہالا کنڈی،خانوٹھ،جھیجا،انڑپور،کھپرو، نصرپور،اگھم کوٹ،ولھار،بلڑی،ککرالہ،مٹیاری،نیرن کوٹ،سونڈا،لاہری،شکارپور،پریالوء،کاہان،اورسَن وغیرہ۔(38)

سندھ میں برطانوی راج ۱۸۴۳ء سے پہلے تالپور خاندان برسراقتدار تھا،اس دور کو تعلیمی وتہذیبی حوالے سے

سندھ کی تاریخ میں دورِ زوال سمجھا جاتا ہے۔تالپور عہد حکومت (۱۱۹۹ھ/۱۷۸۴ء تا ۱۲۵۹ھ/۱۸۴۳ء) میں تمام تر مشکلات اور بیرونی مداخلت کے باوجود علم و فضل کے مراکز قائم رہے تا آنکہ ۱۸۴۳ء میں انگریزوں کے سندھ پر مکمل تسلط قائم ہونے سے یہاں کے صدیوں سے آباد دینی مراکز پر کاری ضرب لگی۔انگریزی حکومت کی معاندانہ پالیسیوں کی وجہ سے مدارس کے اوقاف ختم کردیے گئے۔نظام تعلیم یکسر تبدیل کردیا گیا۔انگریز سرکار کے تمام تر اسلام دشمن اقدامات کے باوجود سندھ بھر میں دینی مدارس کا قیام بدستور جاری رہا۔اور اسی کا فیضان ہے کہ قیام پاکستان کے بعد نہایت تیزی کے ساتھ سندھ بالخصوص کراچی میں بڑے پیمانے پر دینی مدارس کا قیام عمل میں آیا۔۲۰۰۵ء کے سرکاری اعداد و شمار کے مطابق سندھ میں پاکستان کے مجموعی ۱۲۱۵۳ میں سے ۱۸۱۶ دینی مدارس قائم ہیں جس میں ۱۱۱۶۲۹ اساتذہ اور معلمات کئی لاکھ طلبہ و طالبات کو دینی علوم و افکار سے روشناس کرا رہے ہیں۔(39)

حواشی ومصادر

(1) تاریخ الجامعات الاسلامیۃ الکبریٰ، پروفیسر عبدالرحیم غنیمہ، مترجم ظہیرالدین بھٹی، صفحہ۹۰ اسلامک پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۹ء
(2) ایضاً حوالہ بالا صفحہ۹۰ تا ۱۱۷
(3) تاریخ تعلیم وتربیت اسلامیہ، ڈاکٹر احمد شلبی، ترجمہ محمد حسین زبیری، صفحہ ۱۰۵ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۹۹ء/ تاریخ الجامعات الاسلامیۃ الکبریٰ، پروفیسر عبدالرحیم غنیمہ، مترجم ظہیرالدین بھٹی، صفحہ۱۴۱ تا ۱۴۲
(4) کتاب الخطط والآثار ج ۲ صفحہ ۶۳۲
(5) خیر القرون کی درسگاہیں اوران کا نظام تعلیم وتربیت، قاضی اطہر مبارکپوری، صفحہ ۱۸، ۱۹ ادارہ اسلامیات لاہور کراچی اشاعت اول اکتوبر ۲۰۰۰ء/ طبقات الشافعیہ الکبریٰ، تاج الدین السبکی (م۷۷۱ھ) ج ۴ صفحہ ۳۱۴ داراحیاء الکتب العربیۃ قاہرہ طبع ۱۹۶۴ء
(6) تاریخ دارالعلوم دیوبند، سید محبوب رضوی، جلد اول صفحہ ۶۸ ادارہ اسلامیات لاہور کراچی ۲۰۰۵ء
(7) جنة السند ہ، رحیم داد خان مولائی شیدائی صفحہ ۱۵۲ سندھیکا کراچی ۲۰۰۰ء
(8) ابن حوقل بغدادی
(9) پاک وہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ حصہ اول صفحہ ۲۰ دوست ایسوسی ایٹس لاہور ۲۰۰۳ء
(10) تاریخ سندھ، اعجاز الحق قدوسیؒ، جلد اول صفحہ ۱۰۵، ۱۲۵ تا ۱۲۶ اردو سائنس بورڈ لاہور ۲۰۰۴ء
(11) سندھ جا اسلامی درسگاہ، ڈاکٹر محمد جمن تالپور، صفحہ ۸۷، سندھی ساھت گھر حیدر آباد ۲۰۰۷ء
(12) بھنبھور کے وزٹ کے موقع پر یہ عبارت میں نے خود وہاں لگے بورڈ سے نقل کی۔
(13) فتوح البلدان، ابوالعباس احمد بن یحییٰ البلاذری، صفحہ ۶۰۷ مؤسسۃ المعارف بیروت ۱۹۸۷ء
(14) فتوح البلدان، ابوالعباس احمد بن یحییٰ البلاذری، صفحہ ۶۱۱، ۶۱۴
(15) الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر الجزری (م۶۳۰ھ) جلد ۶ صفحہ ۳۷۶ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۹۸۷ء

(16) بھنبھور کی مسجد، غلام مصطفیٰ قاسمی، الولی حیدرآباد شمارہ جنوری فروری ۱۹۷۶ء صفحہ ۲۸

(17) فتح نامہ سندھ المعروف چچنامہ (سندھی) صفحہ ۱۶۰، سندھی ادبی بورڈ جامشورو سندھ ۲۰۰۴ء

(18) کتاب الانساب، ابوسعد عبدالکریم السمعانی (م ۵۶۲ھ) الجزء الثانی صفحہ ۵۲۳ دارالجنان بیروت ۱۹۸۸ء

(19) سندھ جو علم وادب ایئن سندھ جا عالم، حافظ محمد احسن چنہ، سہ ماہی مہران حیدرآباد شمارہ ۵ ۱۹۷۵ء صفحہ ۱۷۳، ۱۷۴

(20) فتح نامہ سندھ المعروف چچنامہ (سندھی) صفحہ نمبر ۶۲/ تاریخ سکھر، رحیم داد خان مولائی شیدائی صفحہ ۱۹، ۲۵ تا ۲۶ سندھی ادبی بورڈ جامشورو سندھ ۲۰۰۵ء

(21) فتح نامہ سندھ المعروف چچنامہ (سندھی) صفحہ نمبر ۵۷

(22) عرب وہند کے تعلقات، علامہ سید سلیمان ندویؒ، صفحہ ۲۸۷ تا ۲۸۸ اردو اکیڈمی سندھ کراچی ۱۹۸۷ء/لب تاریخ سندھ (سندھی)، خان بہادر خداداد خان، صفحہ ۳۵ سندھی ادبی بورڈ جامشورو سندھ ۱۹۹۴ء

(23) مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنۃ والبقاع، یاقوت الحموی المجلد الثالث صفحہ ۱۳۲۱ دارالجیل بیروت ۱۹۹۲ء

(24) احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم، شمس الدین البشاری المقدسی صفحہ ۴۷۹، ۴۸۱ دار صادر بیروت سن ندارد

(25) کتاب الانساب، ابوسعد عبدالکریم السمعانی (م ۵۶۲ھ) الجزء الخامس صفحہ ۳۹۴ تا ۳۹۵

(26) الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر الجزری (م ۶۳۰ھ) جلد ۶ صفحہ ۳۸۸/ سندھ اور ملتان کی اسلامی حکومتوں کے عہد میں علوم وفنون کی ترقی، محمد حفیظ اللہ پھلواری، الولی حیدرآباد شمارہ ستمبر ۱۹۷۲ء صفحہ ۱۴۷

(27) جنۃ السندھ، رحیم داد خان مولائی شیدائی صفحہ ۱۳۹ تا ۱۴۰

(28) موسوعۃ التاریخ الاسلامی والحضارۃ الاسلامیۃ لبلاد السند والبنجاب فی عھد العرب، دکتور عبداللہ مبشر الطرازی جلد ۲ صفحہ ۲۵، ۲۶، عالم المعرفۃ جدۃ ۱۹۸۳ء

(29) رحلۃ ابن بطوطہ صفحہ ۳۹۶ تا ۳۹۷ دار صادر بیروت ۱۹۹۲ء

(30) سندھ اور ملتان کی اسلامی حکومتوں کے عہد میں علوم وفنون کی ترقی، محمد حفیظ اللہ پھلواری، الولی حیدرآباد شمارہ ستمبر ۱۹۷۲ء صفحہ ۱۵۵، ۱۵۶

(31) ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں، مولوی ابوالحسنات ندوی، صفحہ ۸ شیخ شوکت علی اینڈ سنز طبع اول اپریل ۱۹۷۹ء

(32) ایضاً حوالہ بالا

(33) حرکۃ التعلیم الاسلامی فی الہند وتطور المنہج محمد واضح رشید الحسنی الندوی، صفحہ ۱۴۷ المجمع الاسلامی العلمی ندوۃ العلماء لکھنؤ طبع اول ۲۰۰۶ء/عہد اسلامی کے عظیم مدارس، پروفیسر سید محمد سلیم صفحہ ۴۵ ادارہ تعلیمی تحقیق تنظیم اساتذہ پاکستان لاہور ۱۹۹۷ء

(34) تاریخ دارالعلوم دیوبند جلد اول صفحہ ۱۷ بحوالہ طبقات ناصری صفحہ ۱۲۴

(35) جنۃ السندہ، رحیم داد خان مولائی شیدائی صفحہ ۳۰۳

(36) ایضاً صفحہ ۴۲۲

(37) لب تاریخ سندھ (سندھی)، خان بہادر خداداد خان، صفحہ ۱۱۴ تا ۱۱۵

(38) سندھ جا اسلامی درسگاہ، ڈاکٹر محمد جمن تالپور، صفحہ ۱۷

(39) National Educational census 2005 page: 1 to 3 , Academy of Educational Planning and Management Islamabad 2007